ایک تاریخی دستاویز

جماعت اہل حدیث
اور
آزادیِ وطن

ناشر
صوبائی جمعیت اہلِ حدیث ممبئی

ایک تاریخی دستاویز

جماعت اہل حدیث اور آزادئ وطن

عبدالمعید مدنی

صوبائی جمعیت اہل حدیث
ممبئی

نام کتاب : جماعت اہل حدیث اور آزادئ وطن

مؤلف : عبدالمعید مدنی

سن اشاعت : دسمبر ۲۰۰۷ء

ناشر : صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

پتہ : بلاک نمبر A/1 آشیانہ کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی،

ایل. بی. ایس. مارگ، (مغرب) ممبئی-۴۰۰۰۷۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اہل حدیثوں کے آزادئ وطن کے لئے دی گئی قربانیوں کو اہل وطن کے سامنے لانے کے لئے صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی نے ۳۰/دسمبر ۲۰۰۷ء کو شان مکھانند ہال، گاندھی مارکیٹ میں ایک پروگرام ترتیب دیا ہے جس میں ملک کے علماء اور دانشور حضرات حاضرین کو خطاب فرمائیں گے، اس موقع پر صوبائی جمعیت نے یہ بھی مناسب جانا کہ لوگوں کے سامنے جماعت اہل حدیث کی ڈیڑھ سو سالہ آزادئ وطن کے لئے قربانی کا ایک اجمالی خاکہ پیش کر دیا جائے تا کہ اس ملک میں ایک ایک اہم اکائی کی تاریخ کا لوگوں کو اندازہ ہو جائے۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ اس بے مثال قربانی کی تاریخ کا تفصیل کے ساتھ مختلف زبانوں میں تعارف پیش کیا جاتا تا کہ تعمیر وطن اور تحریر وطن میں جماعت اہل حدیث کی حصہ داری کا لوگوں کو پتہ چل سکے اور لوگ ملک کی اس اہم آبادی کی اہمیت کو سمجھ سکیں اور لوگوں کے سامنے ایک مشعل راہ آجائے جو نامساعد حالات میں اہل وطن کے لئے ہمت و جوش بڑھانے کا باعث بنے اور اخلاص کے ساتھ لوگوں کو وطن کی خدمت کرنے پر آمادہ کرے۔

وطن کے تئیں ذمہ داریاں اٹھانا اور وفاداریاں نبھانا آسان نہیں، اس کے لئے بڑے اخلاص اور حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے، اس ضرورت کو جماعت اہل حدیث اور اس کے قائدین اور عوام نے ممتاز اور بھر پور انداز میں پورا کیا ہے اور اب بھی ان کے اندر اتنا حوصلہ اور جذبہ ہے کہ وقت آنے پر ملک کے لئے غیر مشروط قربانیاں دیں، ہماری یہ شان دار تاریخ

اور روایت ہمارے لئے کل بھی باعث روشنی تھی اور آج بھی باعث افتخار ہے، ہماری جماعت اپنے قائم کردہ معیار سے کم تر ہو، یہ کبھی بھی مخلصین ارباب جماعت وقائدین کو قبول نہیں رہا اسی لئے انہوں نے ملک وملت کے لئے قربانیوں کو نمائشی اور اشتہاری انداز میں پیش کرنے کی کوشش نہیں کی اور آج بھی انہیں اپنی ملکی وملی خدمات کا چرچا بہت ناگوار ہے اگر کسی کو آنکھ کے تنکے کو شہتیر بنانے کا شوق ہو تو وہ جانے ہمیں اس سے کوئی الجھن نہیں ہوتی، ہم نے صرف قربانی دینا سیکھا ہے، اس کا صلہ مانگنا ہم اپنی قربانیوں کی توہین سمجھتے ہیں، یہ اصحاب ظرف کی بات ہے کہ وہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حق کو حق کہنے کی توفیق دے اور غیور جماعت مولانا عبدالمعید صاحب مدنی کی اس تحریر کو ملک وملت وانصاف پسندوں کیلئے رہنما بنائے کیوں کہ وہی حق کو قبول کرتے ہیں۔

عبدالسلام سلفی
امیر صوبائی جمعیت، ممبئی

۳۰/ ۱۲/ ۲۰۰۷ء

☆☆☆

مُقدّمة

اہل حدیث برصغیر ہندو پاک میں ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں رہے، غزنوی عہد سے قبل ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں جو بھی مسلمان تھے وہ کسی فقہی مکتب فکر کے نہ تھے، اور نہ کوئی تقلیدی گروہ وجود میں آیا تھا، سندھ میں تین سو سال تک اہل سنت کی جو حکومت قائم تھی اس کے امراء، حکام، قضاۃ اور عوام کتاب وسنت کی پیروی کرنے والے تھے۔

غزنوی عہد کے بعد ہندوستان میں تورانی فکر وفہم، علم وثقافت اور تہذیب کا غلبہ رہا، پھر مغلوں کے دور میں ایرانی تہذیب وثقافت کو غلبہ حاصل ہوا، مگر ان دوادوار میں پورے ملک میں کسی نہ کسی صورت میں کہیں نہ کہیں اہل حدیث موجود رہے، اور جب بھی اہالیان ہند اور مسلمانوں کو نئی توانائی اور زندگی کی ضرورت پڑی کمک اس اہلحدیث طرز فکر ونظر اور منہج عقیدہ وعمل سے ملی، خلجی وتغلق ادوار میں اصلاح اور فلاح کی ساری صورتیں اسی منہج عقیدہ وعمل سے واضح ہوئیں۔

اورنگ زیب کے بعد مغلوں کے آخری دور میں سارا ملک زوال وادبار کی طرف تیزی سے بھاگ رہا تھا اور مسلمانوں کے یہاں ہر طرح کا خلفشار وانتشار موجود تھا، مسلمانوں کا عقیدہ بگڑ چکا تھا،، اخلاقی زوال انتہا کو پہنچ چکا تھا، طوائف الملوکی عام تھی، استعمار بھی تیزی سے بڑھ رہا تھا، عوام سے لے کر خواص تک سبھی اس حد تک بگڑ چکے تھے کہ احساس زیاں ختم ہو چکا تھا۔

ایسے ماحول میں کہیں کہیں پورے ملک میں زندگی کی رمق نظر آجاتی تھی، ایسی جدوجہد جو تمام ملک کے لوگوں کو ضعف وادبار سے نکال سکے اور اہل وطن کو استعمار کے چنگل سے چھوڑانے کا منصوبہ بنا کر ہمہ جہتی طور پر جاری ہو موجود نہ تھی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ یا دیگر علاقوں کے علماء تحریری حد تک امت اسلامیہ ہند اور اہل وطن کے لئے فکر مند تھے مگر یہ فکر مندی عملی شکل اختیار نہیں کر پائی تھی، ان کی اولاد و اخلاف کا حلقہ کسی حد تک شمالی اور مغربی یوپی تک محدود تھا لیکن عملاً اس کا اثر عوام میں نا کے برابر تھا، استعمار کے خلاف جہاد کا فتویٰ بھی مالا بار، دکن، بنگال اور بریلی وروہیل کھنڈ کے علماء بہت پہلے دے چکے تھے اور ان مقامات پر استعمار سے مسلح ناکام جنگیں بھی ہوئیں اور ختم ہوگئیں۔

یہ سب وقتی طور پر ہوا جن سرفروشوں نے استخلاص وطن کے لئے اپنا خون بہایا، وہ بہت قابل قدر ہیں ﴿منهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا﴾ کے تحت انہوں نے راہ الٰہی میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور سرفراز ہوگئے مگر ضرورت اس کی تھی کہ ان اسباب وعلل کو دور کیا جائے جن کے سبب ملک استعمار کے ہاتھ میں چلا گیا تھا اور اصلاح وتجدید کا وہ کام کیا جائے جو فساد وبگاڑ کو دور کرنے کے لئے ضروری تھا، ساتھ ہی راہ نجات پانے نئی توانائی حاصل کرنے اور نئی آب وتاب سے منصب امت پر جلوہ نما ہونے کے لئے مطلوب تھا کہ کتاب وسنت کی صحیح تعلیمات کو عام کیا جائے اور لوگوں کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا جائے۔

اور پھر غیرت حق کو جوش آہی گیا، رب کریم نے کتاب وسنت کی خالص تعلیمات کو عام کرنے، اصلاح وتجدید کا کام کرنے، دعوت وجہاد کا فریضہ زندہ اور جاری کرنے کے لئے شاہ اسماعیل اور سید احمد رحمہم اللہ کو چن لیا، ایک طرف ان کی مساعی کی شعاعیں پھیلنے لگی دوسری طرف نجد کی خالص دینی دعوت کے منور اور مبارک اثرات بنگال اور ساحلی علاقوں پر پڑنے لگے، خالص دعوت توحید کی یہ دونوں کوششیں رنگ لانے لگیں، بنگال کی سرزمین پر حاجی شریعت اللہ کی ہمہ جہت دعوت اور اخلاص وطن کی مساعی انیسویں صدی کی بالکل ابتداء میں شروع ہوگئیں، اور شہیدین نے باضابطہ اپنے دینی جدوجہد کا آغاز ۱۸۱۸ء، ۱۲۱۳ھ سے کردیا، انہوں نے فرد، سماج اور ملک کی تعمیر واصلاح اور فلاح وبہبود کے لئے، احیاء دین وملت کے لئے وہ سب کچھ کیا اور کرنے کی کوشش کی جو کرسکتے تھے، قوم وملک کی نئی زندگی کے لئے انہوں نے دعوت وتبلیغ، درس وتدریس، افتاء وقضا، حکومت وسیاست، اصلاح وتربیت اور

باطل کے ساتھ مسلح معرکہ آرائی کے سارے جتن کئے اور وہ ساری قربانیاں دیں جو انسان سے ممکن ہو سکتی ہیں، انہیں کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج گوناں گوں رنگ میں پورے برصغیر میں ملت اسلامیہ زندہ ہے، اور اسے بقا اور تسلسل حاصل ہے، پورے برصغیر کی تاریخ میں اتنی زبردست کامیابی کسی بھی دعوت و جہاد کو حاصل نہیں ہوئی ہے، ان کوششوں کا براہ راست نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت پورے خطے میں سات آٹھ کروڑ فرزندان توحید موجود ہیں جو اعتقادا اور عملاً منہج سلف، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور محدثین سے جڑے ہوئے ہیں، اور اس دور اخیر میں دین کی ساری برکتیں بواسطہ یا بلاواسطہ انہیں سے جڑی ہیں، اگر آج انہیں اس خطے کی تاریخ سے نکال دیا جائے تو پھر یہاں چمتکاروں اور حیلہ و تاویلات کے سوا کچھ نہ بچے گا اور دانش وروں کی دانشوریاں صفر بن کر رہ جائیں گی۔

افراد و اقوام کو جب ان کا صحیح پیغام مل جاتا ہے اور اپنے صحیح معتقدات اور تعلیمات کو دریافت کر لیتے ہیں اور ان کے مطابق ان کی تعلیم و تربیت ہو جاتی ہے تو ان کو نئی زندگی مل جاتی ہے، برصغیر کے پورے خطے میں مسلمانوں کے اندر اگر نئی زندگی آئی ہے، نئے آب و تاب سے انہوں نے اپنی زندگی کو منظم کرنا شروع کیا ہے تو یہ سب جو کچھ ہو سکا ہے اور جتنا کچھ ہو سکا ہے اسی دعوت دین اور اصلاح و تجدید کا نتیجہ ہے، بنیاد و اساس یہی ہیں۔ بقیہ کروفر، رنگ و روغن، دعاوی اور ادعات کیسے بھی ہوں ان کی نوعیت بالکل دیگر ہی ہے انہیں اساسی حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔

آج اگر بنظر دقیق غور کیا جائے اور سارے تاریخی توہمات اور آنی و وقتی مشارکت کو پھیلانے اور بڑھانے کا کام ترک کر دیا جائے اور شہیدوں کے خونوں کی حرمت و تقدس کو پامال نہ کیا جائے، نہ دنیاداری کا مظاہرہ کیا جائے تو اس وقت کی ساری دینی رونق حرکت و نشاط اور سرگرمی کے پیچھے انہی شہیدان حق کے خونوں کی سرخی نظر آئے گی۔

ایک بہت بڑا مسئلہ یہ بھی ہے کہ تاریخ کو تاریخ کی حیثیت سے پڑھا جائے اور اسے افسانہ بنا کر نہ پڑھا جائے اگر تاریخ کو اس کی صداقتوں اور سچائیوں کے ساتھ پڑھا جائے تو تاریخ کی اثر انگیزی فرد و ملل پر پے بہ پے قائم رہتی ہے لیکن اگر اسے افسانہ بنا دیا جائے اس کے پس منظر اور

پیش منظر کو نظر انداز کر دیا جائے اس کی حقیقتوں کو درخور اعتناء نہ سمجھا جائے تو اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے۔

ہر علم کا اپنا اصول وضابطہ ہوتا ہے اور اس کی صداقتیں ہوتی ہیں اور اس کے مرکزی کردار ہوتے ہیں اگر ان سارے حقائق کو چھوڑ دیا جائے تو سچائی افسانہ بن جاتی ہے اور افراد وسماج کے لئے غیر مفید ہی نہیں بلکہ گمراہ کن۔

کسی بھی قوم کی تاریخ ایک مستقل کل ہوتی ہے، اسے جزء در جزء بھی نہیں کیا جانا چاہئے، تاریخ جزئیاتی نہیں ہوتی ہے، فرد، فرد، جماعت، جماعت، الگ الگ، رجحان رکھ کر اور کارنامے انجام دے کر یا افسانے تلاش کر کے تاریخ بنائیں ایسی تاریخ تاریخ نہیں ہوتی۔ ملی وقومی تاریخ میں سب کی حصہ داری ہوتی ہے اگر سب کی حصہ داری نہ ہو تو تاریخ بن ہی نہیں سکتی، ہاں اتنا ضرور ہوتا ہے کہ قیادت وسیادت کا کارنامہ کچھ ہی لوگوں کو حاصل ہوتا ہے اور قومی تاریخ میں ایک صدی تک یہ اعزاز اہل حدیث وہابیوں کو حاصل رہا۔

بہر حال جب خالص کتاب وسنت کی تعلیم عام ہوئی تو مسلمانوں کے اندر زندگی عود کر آئی اور انہوں نے پورے جوش وخروش کے ساتھ ہر محاذ پر کام کرنے کی کوشش کی۔ آج انہی دوسو سالہ کوششوں کا ثمرہ آزادی وطن، اصلاح امت، شعور دین اور دینی سرگرمیوں کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ ان ساری جہود کو اصلاً اہل حدیث جہود کہا جاسکتا ہے۔

فصل اول

آزادیٔ وطن کے لئے اہل حدیث جدو جہد

(دور اول)

فرائضی تحریک:

آزادیٔ وطن کے لئے اہل حدیثوں کی جدو جہد اور کوششیں ڈیڑھ سو سالوں پر پھیلی ہوئی ہیں انہوں نے استخلاص وطن کی جدو جہد کا آغاز ۱۸۰۲ء سے کر دیا تھا، سب سے پہلے حاجی شریعت اللہ (۱۷۷۴ء - ۱۸۴۰ء) نے مسلم معاشرے میں سماجی واصلاحی کام کی شروعات کی، ان کا کام شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے کام کے بالکل مشابہ تھا، انہوں نے غیر اسلامی طریقے بدعات اور رسوم ورواج کی مذمت کی اور انگریزوں کے زیر حکومت بنگال کو دارالحرب قرار دیا ان کے پیرو صرف قرآن وسنت کے بتائے ہوئے احکام الٰہی کی سختی سے پابندی کرتے تھے انہوں نے اپنے علاقے فرید پور کے لوگوں کے اندر خالص توحید وتقویٰ کی روح پھونک دی انہوں نے غریب کسانوں کے حقوق کی بازیابی کے لیے جدو جہد کی اور کامیابی حاصل کی، ان کی دعوت نے بنگال میں زور پکڑنا شروع کیا اور بہت بڑی بھیڑ ان کے گرد جمع ہوگئی۔

ان کے بعد ان کے بیٹے محسن الدین احمد دودو (۱۸۱۹ء - ۱۸۶۰ء) نے اپنے باپ کے اصلاحی اور جہادی مشن کو آگے بڑھایا اور فعال وسرگرم سیاسی وسماجی طاقت بن گئے، انہوں نے اصلاحی جہود کو منظم کرنے کے لئے کئی اقدامات کئے، انہوں نے بنگال کو چند حلقوں میں تقسیم کر کے وہاں اپنے خلفاء متعین کر دیئے اور وہاں کا دینی، سماجی، سیاسی ہر طرح کا نظام سنبھال لیا، بڑے مراکز میں ڈھاکہ، بار اسٹیٹ، مالدہ، میسور اور پٹنہ تھے، انہوں نے انگریزی عدالتوں کا بائیکاٹ کیا اور خود اپنی پنچایتیں قائم کیں اور تنازع کی آخری صورت دودو میاں کے پاس لے جانا طے ہوا، انہوں نے جاگیرداری اور زمینداروی کے خلاف علم بغاوت بلند کی اور الارض للہ کا نعرہ بلند کیا، آخر کار زمینداروں نے ان کے خلاف مقدمات دائر کر دیئے جو

۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۸ء تک چلتے رہے، دوتین سال تک وہ نظر بند رہے۔
فرائضی مشن اور دعوت واصلاح کا کام جن دنوں زوروں پر تھا ٹھیک اسی نقش قدم پر انہیں
دنوں نثار علی عرف تیتو میاں اپنی سرگرمیاں اپنے علاقے ضلع ندیا میں جاری رکھی تھیں گو ان کا
تعلق براہِ راست شہیدین سے تھا لیکن ان کے کام کا طریقہ بالکل فرائضی تحریک جیسا تھا، عین
ممکن ہے کہ انہیں ندیا ضلع کے علاقے میں کام کی تحریک فرائضی دعوت اور سرگرمیوں سے ملی ہو
اور شہیدین کی دعوت و جہاد کے پروگرام سے بھی انہیں تقویت حاصل ہوئی ہو، بہرحال انہوں
نے دعوت واصلاح اور مقاومت استعمار کا کام جاری رکھا، جس وقت بالاکوٹ پر شہیدین ظلم
واستعمار کے خلاف نبرد آزما تھے تیتو میاں نے بھی ظالموں اور استعماریوں کے خلاف جنگ چھیڑ
رکھی تھی اور آخر کار نومبر ۱۸۳۱ء میں تیتو میاں کی طاقت کو ظالموں اور استعماریوں نے کچل دی۔
اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگے چل کر بنگال کی مصلحانہ اور مجاہدانہ سرگرمیاں براہ راست
شہیدین کے خلفاء کے ماتحت آگئیں اور پورا بنگال ان کی دعوتی و جہادی سرگرمیوں کی آماجگاہ
بن گیا اور پھر آزادیٔ وطن میں اس سرزمین کے جیالوں نے سب سے زیادہ جانی ومالی قربانی
دی۔

دور دوم

شہیدین کی جدوجہد اور معرکہ آرائیاں

شہیدین کا دور اصلاح وتجدید، دعوت و جہاد، حکمرانی و جہانبانی ۱۸۱۸ء سے شروع ہوتا ہے
اور ۱۸۳۱ء پر شہیدین کی شہادت پر ختم ہوجاتا ہے۔ سید احمد شہید دعوت و جہاد کے کام کو لے کر
اٹھے، دعوت وتبلیغ کے لئے انہوں نے اپنے رفقاء کے ساتھ دوآبے اور لکھنؤ کا دورہ کیا اور بہت
سی سنتوں کو جو مٹ چکی تھیں زندہ کیا، اور حج کا فریضہ جسے بعض ملاؤں نے راستہ کے مخدوش
ہونے کی بنیاد پر منسوخ ہونے کا فتویٰ دے رکھا تھا، اس فریضے کا احیاء کیا، ۱۲۳۶ھ میں آپ
نے چارسو سے زیادہ رفقاء کے ساتھ حج کا سفر کیا، حج سے واپس لوٹنے کے بعد آپ نے جہاد
کے لئے بیعت لینی شروع کی، پھر ۷/ جمادی الثانی ۱۲۴۱ھ کو پانچ سات ہزار ہندوستانی

مجاہدین کے ساتھ جہاد کے لئے نکلے، اور مختلف علاقوں سے گزرتے ہوئے نوشہرہ تشریف لے گئے، آپ نے سرحد کا علاقہ اس لئے منتخب فرمایا تھا کہ ہندوستان میں کوئی آزاد علاقہ رہ نہیں گیا تھا جہاں سے جہاد کرسکیں اس لئے انگریزوں کے زیر تسلط علاقوں سے باہر آپ نے دینی امارت کھڑی کی اور اپنی امامت کی بیعت لی، اور پھر استعمار واستبداد کے خلاف لڑائی چھیڑ دی، اور جہاد کے لئے امارت، امامت اور نظام اسلامی کو چلانے کے لئے جو بھی بندوبست کرنا تھا کیا، اس سلسلے میں شاہ اسماعیل شہید کا رول قائدانہ تھا، ان کی حیثیت واعظ، خطیب، قاضی، امیر لشکر، مفتی وغیرہ کی تھی، غرض کہ سارا نظام انہیں کے گرد گھومتا تھا، اسلامی امارت کو برقرار رکھنے اور جہاد کو جاری رکھنے کے لئے جس دعوتی اور مادی کمک کی ضرورت تھی، ان سب کو پورا کرنے کے لئے بندوبست کیا گیا چنانچہ شاہ اسماعیل شہید کے تیار کردہ شاگردوں کو ہندوستان کے سارے صوبوں میں دعوت وتبلیغ کے لئے بھیج دیا گیا انہوں نے پورے ہندوستان میں سرمایہ اسلحہ اور افراد کی فراہمی کے لئے پورا ایک نیٹ ورک قائم کر دیا، اور پورے ملک میں اسلامی امارت سے مسلمانوں کے دلوں کو جوڑ دیا اور ہر جگہ دعوت وتبلیغ اور اصلاح کا کام جاری ہوگیا، ساتھ ہی جو لوگ جہاد کے کام میں لگے ہوئے تھے ان سے جہاد کا کام بھی جاری رہا اور اسلامی حکومت بھی قائم رہی، ۱۸۲۷ء سے لے کر ۱۸۳۱ء تک سید شہید کی امارت میں بے شمار جنگی مہمیں سر ہوئیں اور آخرکار بالاکوٹ کی سرزمین کو شہیدین نے امت اسلامیہ ہند کو زندگی عطا کرنے کے لئے اپنے خون سے لالہ زار کر دیا۔

بالاکوٹ کی جنگ میں تین سو سے زیادہ غازی شہید ہوئے، اس پورے وقفے میں شہیدین نے جو کارہائے نمایاں انجام دئے وہ اسلامی تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے، اخلاص، قربانی، اسلامی حکومت قائم کرنے دعوت وتبلیغ واصلاح کا مشن جاری رکھنے کا جو اعلیٰ سے اعلیٰ معیار ایک انسان قائم کرسکتا ہے۔ صالحین کی اس جماعت نے اس کو قائم کیا۔ معرکہ بالاکوٹ کے بعد ایسا لگتا تھا جیسے استعمار کے خلاف نبرد آزمائی کا سلسلہ رک جائے گا، لوگوں کے حوصلے پست ہوجائیں گے لیکن جو ایمان کی چنگاری پورے برصغیر میں لوگوں کے دلوں کے اندر لگ تھی وہ بجھنے والی نہ تھی۔

دور سوم

(۱۸۳۱ءتا۱۸۴۲ء)

جنگ بالاکوٹ میں جومجاہدین باقی بچے وہ بمشکل ایک سو کے قریب تھے ان باقی مجاہدین کی امارت مولانا ولی محمد پھلتی صاحب کے سپرد کی گئی انہوں نے محمد قاسم پانی پتی کو امیر جہاد مقرر کیا، مجاہدین پسپا ہوکر اٹک پار ہو گئے اور جہاد میں وقتاً فوقتاً حصہ لیتے رہے، لیکن اندرون ملک جو نظم قائم ہوا تھا وہ علیٰ حالہ قائم رہا، سید نصیرالدین جو شاہ رفیع الدین کے نواسے تھے جب انہیں بالاکوٹ میں شہادت کا علم ہوا تو انہوں نے دہلی اور اس کے گردونواح میں تبلیغ کرکے کچھ مجاہدین کو اکٹھا کیا اور ان کو لے کر سرحد کی طرف رخت سفر باندھا اور مختلف علاقوں سے گزرتے ہوئے مرکز مجاہدین ستھانہ پہنچے۔ ۱۸۴۰ء میں اہل ستھانہ نے سید نصیرالدین صاحب کو اپنا امیر منتخب کرلیا، چند ماہ ہی گزرے تھے کہ خوانین سرحد نے انہیں دھوکے سے زہر دے کر شہید کردیا، ان کی وفات کے بعد سید عبدالرحیم صاحب امیر مقرر ہوئے جو جون ۱۸۴۱ء تک رہے، اس پورے دس سال کے اندر کبھی کبھی انگریزوں سے لڑائی بھی ہوئی، چنانچہ ۲۱/جولائی ۱۸۳۹ء میں انگریزوں سے جو جنگ ہوئی اس میں تقریباً تین سو مجاہدین شریک ہوئے۔

چوتھا دور

(۱۸۴۱ءتا۱۸۵۹ء)

یہ دور اٹھارہ سالوں پر محیط ہے، یہ مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی، عظیم آبادی، صادق پوری کا دور ہے۔ سرحد پر موجود مجاہدین کا نظم ونسق بگڑ چکا تھا، چنانچہ ان دونوں بھائیوں نے ہندوستانی خلفاء کو از سر نو مرتب کیا، مولانا ولایت علی نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا عنایت علی کو مرکز سرحد میں بھیجا، مولانا عنایت علی صاحب اپنے ساتھ تقریباً دو ہزار ہندوستانی مجاہدین کو لے کر گئے تھے۔

جون ۱۸۴۱ء کو مولانا عنایت علی سرحد پہنچے، اور جاتے ہی امیر مجاہدین مقرر کردیئے گئے، اور دو سالوں کی متواتر کوشش سے ۱۸۴۳ء میں سادات کاغان کے تعاون سے بالاکوٹ فتح حاصل کرلیا اور پھر یکے بعد دیگرے سلسلہ فتوحات بڑھتا ہی گیا حتیٰ کہ سارا ہزارہ وادی کاغان، ملحقہ حصے کشمیر اور سرحد کا شمالی سلسلہ کوہ سارا کا سارا مجاہدین کے تسلط میں آ گیا۔ اسلامی نظام رائج کیا گیا اور قانون اسلامی کے مطابق حدود کا نفاذ کیا جاتا حتیٰ کے بے نمازیوں کو بھی سزا دی جاتی، باقاعدہ فوج اور محاصل کے محکمے قائم کئے گئے، افغانستان اور کشمیر سے باقاعدہ سفارتی تعلقات قائم کئے گئے، یہ دوسرا روشن موقع تھا جب کہ مجاہدین کو اسلامی نظام قائم کرنے کا موقع ملا، لیکن اسلام کا نام جتنا مسلمانوں میں پر کشش ہے اتنا ہی آج کا مسلمان اس نظام سے بھاگتا ہے، چنانچہ خوانین کی طرف سے پھر وہی شکایتیں اور غداریاں نمودار ہونا شروع ہوگئیں۔ ادھر مولانا ولایت علی صاحب کو جب اس کی خبر لگی اور خود ان کے چھوٹے بھائی نے انہیں سرحد بلا بھیجا تو وہ ۹/اکتوبر ۱۸۴۶ء کو سرحد پہنچے اور ۱۶/اکتوبر ۱۸۴۶ء کو سارا کاروبار امارت ان کے سپرد کردیا گیا مولانا ولایت علی کی امارت پر ابھی صرف دو تین مہینے گزرے تھے کہ خوانین کی غداری کی وجہ سے سکھوں اور انگریزوں نے مل کر مظفر آباد اور گڑھی حبیب اللہ دونوں طرف سے حملہ کر کے سارا سلسلۂ خیر ہی ختم کردیا۔ دونوں بھائیوں نے مجبوراً وطن کی راہ لی اور ان کے ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد ستھانہ پہنچ گئی۔ واپسی پر دونوں بھائیوں کو پٹنہ کے مجسٹریٹ کے روبرو حاضر ہوکر دو سال کے لئے مچلکہ دینا پڑا۔

مولانا ولایت علی دو سال تک وطن میں رہ کر مختلف علاقوں میں مبلغ بھیجے، اپنے بھائی مولانا عنایت علی کو پھر بنگال بھیجا اور مالی اور فردی کمک حاصل کر کے گھر سے یکم ستمبر ۱۸۴۹ء کو ہجرت کی اور ۱۰/فروری ۱۸۵۱ء میں جہاد کی تبلیغ کرتے ملک میں چھپتے چھپاتے ستھانہ پہنچے، مولانا ولایت علی سرحد پہنچنے کے قریباً ۲۰ ماہ بعد ۵/نومبر ۱۸۵۲ء میں انتقال فرما گئے۔

مولانا ولایت علی کے انتقال کے بعد مولانا عنایت علی کے ہاتھ پر بیعت جہاد ہوئی اور ایک ماہ بعد ہی جہاد شروع ہوگیا، مولانا کی مستقل زندگی جہاد میں گزری تھی، اس لڑائی میں انگریزوں نے مجاہدین کے مرکز ستھانہ کو توپوں سے اڑا دیا پھر مجاہدین کو اپنا مرکز منگل تھانہ میں منتقل کرنا

پڑا۔ ۲۰ر جولائی ۱۸۵۷ء کو مجاہدین سرحد کی جنگ تاریخی خاص کر قابل ذکر ہے۔ اس میں انگریزوں کا بہت بھاری نقصان ہوا۔ اس کے نتیجے میں انگریزوں نے ایسی ناکہ بندی کی کہ سرحد پار پہنچنا مشکل ہوگیا بسا اوقات مجاہدین کو فاقوں تک کی نوبت آگئی پھر بھی جہاد جاری رہتا ۔ اسی دوران امیر المجاہدین مولانا عنایت علی صادق پوری کا ۲۲ر مارچ ۱۸۵۷ء میں انتقال ہوگیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے شہیدین کی بالاکوٹ میں شہادت کے بعد یا پھر تھوڑا بہت امارت سید نصیر الدین دہلوی میں عام تعاون ہندوستان سے ملتا تھا، ایسا لگتا ہے اب زیادہ تر شاہ اسماعیل سے تربیت یافتہ علماء ہی اس کار مقدس یعنی استعمار سے جنگ میں پوری طرح لگے ہوئے تھے بقیہ لوگ ان اہل حدیث مجاہدین کو میدان کار میں چھوڑ کر الگ ہوگئے تھے۔

مولانا عنایت علی عظیم آبادی کے انتقال کے بعد ان کے جانشین انگریزوں سے جنگ جاری کئے ہوئے تھے، انگریزوں نے ان کو بھاری نقصان پہنچایا اور اس علاقے میں پھیلے سارے مراکز کو تباہ کر دیا تھا، مجبوراً مجاہدین کو ''ملکا'' منتقل ہونا پڑا۔

مجاہدین کے اس شکست کے بعد مجاہدین ڈیڑھ سال تک منتشر سے رہے عارضی امیر سے کچھ نہ ہوسکا۔ مولانا عنایت علی کی شہادت کی خبر سن کے مولانا ولایت علی کے صاحبزادے مولانا عبداللہ صادق پوری اپنے خاندان کی روایت کو زندہ رکھنے کی خاطر مع اہل وعیال مستقلاً ۱۹ر نومبر ۱۸۵۹ء میں سرحد پہنچے۔

پانچواں دور

(۱۸۵۹-۱۹۰۲ء)

اس دور میں اُمیر عبداللہ امیر المجاہدین کی حیثیت سے چالیس سال کام کرتے رہے، ان کا یہ دور بہت لمبا ہے انہوں نے سرحد کے علاقے میں اور اندرون ملک اپنے بہت سے سفراء مقرر کر کے بھیجے جس سے انگریز بہت پریشان ہوئے وہ بار بار اپنی فوجی مہمیں بھیجنے پر مجبور ہوتے مسلمانوں کا بھی کافی نقصان ہوتا لیکن انگریزوں کے لئے بھی یہ لڑائیاں مہنگی پڑیں ۱۸۵۰ء

تک ۱۸ ارفوجی مہمیں بھیجی گئیں اور بعد میں ان میں اضافہ بھی ہوتا گیا، ۱۸۶۳ء میں امبیلا کی لڑائی امیر عبداللہ کی قیادت میں اتنی زبردست لڑی گئی کہ انگریز بہ ہزار ذلت رسوا ہوا اور اسے زبردست شکست اٹھانی پڑی حالاں کہ اس میں ہنٹر کے بقول انگریزوں نے ۵۳ ہزار جنگجوؤں کے ساتھ لڑائی لڑی۔

امبیلہ کی لڑائی کے بعد مجاہدین نے ملکا کا علاقہ چھوڑ کر بویز چلے گئے اور وہاں ایک قلعہ پلوسی میں قیام پذیر ہوگئے اور بیس سال تک وہیں رہ کر دعوت وتبلیغ اور اصلاح کا کام کرتے رہے اور کبھی کبھی انگریزوں سے جنگ بھی کرتے رہے، ۱۸۸۸ء تک انگریزوں نے یاغستان میں مجاہدین پر ۲۰ بار حملہ کیا مگر مجاہدین ان کے خلاف ڈٹے رہے، ۱۸۹۱ء میں انگلش استعمار نے بارہ ہزار فوج کے ساتھ قلعہ پلوسی پر حملہ کیا اور مجاہدین کے اس قلعے کو جلا دیا۔ جنگ امبیلا کے بعد مجاہدین کا کوئی خاص مقام نہیں تھا، رہنے کو تو قلعہ پلوسی میں رہتے تھے لیکن دراصل مجاہدین پورے یاغستان میں چل پھر کر کام کرتے تھے اس لیے ۱۸۹۷ء میں جب انگریزوں نے درۂ خیبر کی فوجی مہم بھیجی تو مجاہدین نے بڑا سخت مقابلہ کیا۔ انگریز ہمیشہ پریشان رہتے تھے کہ مجاہدین اتنی کم تعداد ہونے کے باوجود قابو میں نہیں آتے ہیں۔ بہرحال دونوں کی یہ آویزش آخر تک جاری رہی۔

انگریزوں نے جب یہ دیکھا کہ مجاہدین ان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے تو اس دور میں اس نے ان اہل حدیث مجاہدین کے خلاف سرحد اور اندرون ملک کئی شوشے چھوڑے۔ اس نے استعمار کے باغیوں کو وہابی نام سے مشہور کر دیا۔ اور اسی نام کے حوالے سے انہیں بددین، دشمن رسول، گستاخ ائمہ پتہ نہیں کیا کیا مشہور کیا اور ہر طرح ان کا تعلق عام مسلمانوں سے کاٹنے کی کوشش کی۔ استعمار کو معلوم تھا کہ باغی کون ہے؟ پھر اس نے اندرون ملک خاص کر ۱۸۵۷ء کے بعد اہل حدیثوں پر اتنا تشدد کیا کہ اس کی نظیر تاریخ میں کم ہی ملے گی وہابی اور باغی کے عنوان سے جس قدر اہل حدیث مجاہدین تہ تیغ کئے جاسکتے تھے انہیں پورے ملک میں تہ تیغ کیا گیا۔ مسلمانوں میں غداروں اور استعمار دوستوں کا ایک قبیلہ مختلف اصناف کے دینداروں ملاؤں خاں بہادروں اور جی حضوریوں کا پیدا ہوگیا تھا جس نے مجاہدین کے خلاف مخبری کا پیشہ اختیار

کرلیا اور اندرو باہر ہر جگہ ان مجاہدین دین وملت کا ناطقہ بند کرنے اور انہیں تہ تیغ کروانے کی زبردست کوشش کی۔

انیسویں صدی کا نصف آخر مسلمانوں اور اہل حدیثوں کے لئے بڑا نازک تھا اور ہر قسم کی مصیبت امیر المجاہدین حضرت مولانا عبداللہ کے زمانہ خلافت وامارت میں اہل حدیثوں پر آئی ان کی وفات ۱۹۰۲ء میں ہوئی، ان کی وفات کے بعد مجاہدین کی امارت مولانا عبدالکریم کو سونپی گئی۔

دور ششم

(۱۹۰۲-۱۹۴۷)

مولانا عبدالکریم سابق امیر مولانا عبداللہ کے بھائی تھے اور انہیں کے ساتھ عظیم آباد سے یاغستان آئے ہوئے تھے۔ مولانا عبدالکریم نے اپنا مرکز جہاد اسمست (علاقہ بویز) کو قرار دیا۔ مولانا عبدالکریم اپنے بھائی کی طرح بہت مستعد چاک وچوبند اور محبوب خلائق تھے انہوں نے حالات اور وقت کی تبدیلی کے ساتھ تمام تحریکات آزادی کے ساتھ تعلقات استوار کئے اور ان کے رہنماؤں کے ساتھ رشتہ استوار کیا۔

مولانا عبدالکریم کا دور مجاہدین کے لئے بہترین دور تھا انہوں نے ہندوستان کے تمام بڑے بڑے علماء کرام سے روابط قائم کئے اور ہمسایہ ممالک سے سفارتی تعلقات قائم کئے۔ ان کے وفود روس، ترکی، جرمنی، عرب اور افغانستان وغیرہ تک جاتے تھے۔ انہیں مجاہدین کی ہموار کی ہوئی اور بنائی زمین پر بعد میں چل کر سیاست کی دوسری کونپلیں پھوٹیں۔ اور جلاوطن حکومتیں قائم ہوئیں اور استخلاص وطن کے لئے مذکورہ ممالک سے سفارتی کوششیں ہوئیں اور بہت سے ہجرت کرکے وہاں پہنچے اسی دور میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ مولانا برکت اللہ کی جلاوطن حکومت قائم ہوئی جس کے اہم ارکان یہی اہل حدیث مجاہدین تھے، مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا محمد بشیر اسکے وزیر خارجہ اور وزیر دفاع قرار پائے اور مولانا فضل الٰہی صوفی عبداللہ وغیرہم نے پورے ملک میں گھوم کر ہر طرح کی سیاسی سرگرمی میں قائدانہ رول ادا کیا۔

مولانا عبدالکریم صاحب ۱۱ رفروری 1915ء کو فوت ہو گئے، ان کی جگہ امیر عبداللہ کے پوتے امیر نعمت اللہ کو بالاتفاق امیر منتخب کیا گیا، ۱۹۲۱ء میں ان کی شہادت کا حادثہ پیش آیا، پھر ان کے بعد مولانا رحمت اللہ کو بالاتفاق امیر چنا گیا۔ امیر رحمت اللہ نہایت سادہ اور زاہد آدمی تھے۔ امیر نعمت اللہ کے صاحبزادے برکت اللہ سپہ سالار کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ اسمست کے سواچمرکنڈ میں مولانا محمد بشیر کی سربراہی میں دوسرا مرکز مجاہدین بنا، ان کی شہادت کے حادثے کے بعد مولانا فضل الٰہی امیر المجاہدین قرار پائے جو اپنی وفات 1951ء تک اس منصب پر فائز رہے۔

وہابی مجاہدین ششم دور میں پورے برصغیر کے خطے میں سب سے زیادہ موثر تھے، دور اول فرائضی قائدین کا دور ہے دور دوم شہیدین کی قیادت کا دور ہے جو بنیادی اور اہم ترین دور ہے اس میں کئی معرکے ہوئے اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا، اسلامی نظام کا نفاذ ہوا، سرحدی سرداروں کی غداری سے اسلامی ریاست کا مرکز بار بار تباہ ہوا۔ ہزاروں مجاہدین عمال وقضاۃ شہادت کی فضیلت سے سرفراز ہوئے اور خود شہیدین بالاکوٹ میں شہید ہوئے، اسی دور میں ملک گیر دعوت وتبلیغ اور نظم جماعت کا سلسلہ قائم ہوا اور دعوت و جہاد کا نیٹ ورک اعلیٰ معیار پر قائم ہوا اور ملک کے ہر علاقے میں اصلاح وتجدید دعوت وتربیت حب الوطنی اور استعمار سے نجات کا سبق سکھایا گیا۔ اسی دور میں بنگال میں موجود سارے فرائض دعوتی دینی اور اصلاحی سرگرمیاں شہیدین کی مساعی کے ساتھ جڑ جاتی ہیں اور بنگال و بہار صادق پوری دور کی دینی سرگرمیوں کا آماجگاہ بن جاتی ہیں، صادق پوری دور پون صدی پر محیط ہے، اس دور میں دو زبردست مراکز رشد و ہدایت دہلی اور بھوپال میں سید سادات نذیر حسین اور سید والا جاہ صدیق حسن بھوپالی کے ذریعے قائم ہوئے اور ان ......مراکز کے سبب پورے برصغیر میں سیکڑوں جگہ اصلاح وتجدید رشد وہدایت اور استعمار کے خلاف کام ہونے لگا اور سرحد میں موجود اسلامی امارت کے لئے کمان کو افراد واسباب میسر ہونے لگے یا اندرون ملک سیاسی عمل شروع ہو گیا، جہاں بھی ان دونوں کے شاگردان کرام یا معتقدین موجود تھے ان کے فرائض میں داخل ہو گیا تھا کہ وہاں کے علماء عوام وبااثر لوگوں اور رؤسا وتجار کو دعوت و جہاد کے کام میں لگائیں۔

اس طرح پنجاب بہار، اتر پردیش، سی پی اور دکن وغیرہ میں سینکڑوں شہیدوں میں ان مجاہدین دین و وطن کے لئے افراد و اسباب ملنے لگے، اور ان کا زبردست دعوتی، تعلیمی و اصلاحی اور جہادی نیٹ ورک بن گیا۔ اور اس لئے حاصل ہونے والی حمایت تعاون اور نصرت سے مجاہدین کے نیٹ ورک کو تسلسل کے ساتھ ایک صدی سے زیادہ مدت تک آزادئ وطن کے لئے قربانیاں دی جاتی رہیں۔

آخری دور میں میاں صاحب کا اور نواب صاحب کے پورے ملک میں پھیلے نیٹ ورک کو مولانا ابوالکلام آزادؒ کی رفاقت مل گئی، انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بار بار پورے ملک کا دورہ کیا اور انہیں آزاد کی حمایت حاصل تھی ساتھ ہی آزادی وطن کے دوسرے مسلم لیڈروں کی تائید حاصل رہے اور بدلے ہوئے حالات میں بیسویں صدی میں سیاسی عمل جاری ہوا اور مغرب کی سیکولر پارٹی سیاست کا رجحان برصغیر میں رونما ہونے لگا، اس کے نتیجے میں سیاسی نیم سیاسی اور دینی پارٹیاں اور تنظیمیں بننے لگیں، اور آزادی وطن کا عمل باہر سے زیادہ اندر جاری ہو گیا اور اس کو استعمار کی طرف سے بڑھاوا بھی ملا۔ ایسی صورت میں مجاہدین اندرونی اور بیرونی نیٹ ورک اندرون ہند سیاسی عمل میں زیادہ متحرک ہو گیا اور اس نے ہر جگہ آزادی وطن کے لئے سری و جہری ہر طرح نہایت اہم رول پلے کیا۔

مولانا آزاد نے جب آزادی وطن اور اصلاح امت کے لئے بنیاد قائم کی تو پورے ہندوستان میں اہل حدیث نوجوان ہی ان کی سلفیت اور اہل حدیثیت کے سبب مائل ہوئے اور ان کے معتقدین کی اکثریت اہل حدیث نوجوانوں کی تھی اور پھر یہی ان کیساتھ بعد میں ان کی قومی، سیاسی جدوجہد میں سب سے زیادہ اخلاقی مادی افرادی حیثیت سے مفید بھی رہے، ہندوستان میں ہر شہر کے اہل حدیث گھرانے اور خاص کر نوجوان ان کے حلقہ بگوش ہو گئے۔

اسی طرح آزادئ وطن کی ہر سیاسی جدوجہد میں اہل حدیثوں نے اہل وطن اور برادران وطن کا ساتھ دیا اور اپنی سو سالہ جدوجہد کا ثقل تجربہ اسباب اور صلاحیت کو اس کے پلڑے میں ڈال دیا۔ اور ہر اسٹیج پر قیادی رول ادا کیا اور اپنی سو سالہ عادت کے مطابق گمنامی کو پسند کیا کسی صلہ اور شہرت کے طالب نہ ہوئے۔ انہوں نے ہندوستان میں اکثر مسلم سیاسی دینی سماجی اور

تعلیمی اسٹیج بننے کے لئے زمین ہموار کی قربانی دی اور پروان چڑھایا اور اگر انہیں نظر انداز کر دیا جائے یا ان کی جدوجہد دوسروں کے نام منسوب ہو جائے تو انہیں اسکی شکایت بھی نہیں رہی۔

اہل حدیثوں کی تعمیر وطن اور تعمیر سماج کے لئے اپنی تعداد و اسباب کے اوسط کے حساب سے سب سے زیادہ حصہ داری رہی ہے اور غیر مشروط تعاون رہا ہے۔ ایسا اس لئے ممکن ہوا ہے کہ ان کا منہج و مسلک انہیں ذاتیات اور مفادات سے اوپر رکھتا ہے اساسی طور پر ان کا کام رضائے الٰہی کے لئے ہوتا ہے، شخصی و جماعتی تعصبات سے انہیں نجات ملی ہے اسی لئے ان کا تعاون ہر کار خیر میں فوراً ہوتا ہے۔

آزادیٔ وطن کی کوشش میں اہل حدیث کی حصہ داری ملک میں ہر طبقے ہر جماعت ہر پارٹی اور ہر مسلک سے زیادہ رہی ہے اور تسلسل کے ساتھ رہی ہے قیادی رہی ہے اور غیر مشروط رہی ہے، لمبے عرصے تک پورے ایک نیٹ ورک کے ساتھ رہی ہے اور برصغیر کے پورے خطے میں ان کا آزادیٔ وطن کا کام ہوا ہے اور سب سے زیادہ ان کا جانی و مالی نقصان بھی ہوا ہے اس کا اعتراف پنڈت جواہر لال نہرو نے کیا ہے۔ انہوں نے مولانا عبدالخیر صادق پوری کے دور امارت میں صادق پور کی زیارت کی اور وزیر اعظم کی حیثیت سے انہیں نذرانہ عقیدت پیش کیا اور کہا اگر صادق پوری خاندان کی آزادیٔ وطن کے لئے دی گئی قربانیاں ایک پلڑے میں رکھی جائیں اور پورے ملک کی قربانیاں دوسرے پلڑے میں رکھی جائیں تو صادق پور خاندان کی قربانیاں سب پر بھاری ہوں گی۔

☆☆☆

فصل دوم

۱۸۵۷ء کا پس منظر اور اہل حدیث

چوتھے اور پانچویں دور میں جو سیاسی سرگرمیاں تھیں، مجاہدین کے لئے بہت کٹھن تھی، اور ملک کے اندرونی حالات نہایت صبر آزما تھے۔اس سے پہلے تیسرے دور میں مجاہدین اوران کے دعاۃ نے پورے ہندوستان میں استعمار کے خلاف ہر طرح کا کام کیا تھا، ان کے دعاۃ ستلج سے لے کر کلکتہ تک پھیلے ہوئے تھے، انگریزوں کی فوج میں ہندوستانی باشندوں کی مختلف فوجی پلٹنیں بن گئی تھیں، اوراان کی بنیاد پر استعمار کی جڑیں مضبوط ہوگئی تھیں۔اس کا تدارک یہ تھا کہ انہیں یہ وہابی دعاۃ دین اور وطن کے حوالے سے استعمار سے برگشتہ کردیں، سب سے پہلے یہ کام دکن میں ہوا۔مولانا ولایت علی صادق پوری اور سید محمد علی رام پوری کی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ نواب مبارز الدولہ نظام حیدرآباد خاندان کے اہم رکن نے وہابیت اختیار کر لی، اور انہوں نے انگریزوں سے گلوخلاصی حاصل کرنے کے لئے ایک فوج تیار کرنے کا منصوبہ بنایا، اس نے پہلا کام یہ کیا کہ حیدرآباد، دکن اور دوسرے مقامات پر جوایسی پلٹنیں تھیں انہیں اپنے پاس بلانے اور استعمار سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی، اس کام میں اس کی معاونت کے لئے نواب کرنول ،راجہ ستارا، جودھپور، اودے گڈھ، بھوپال اور رام پور کے نواب وفرمانرواں بھی کررہے تھے، مبارز الدولہ اوران کے رفقاء نے سخت فوجی تربیت حاصل کی تھی، مبارز الدولہ کا ارادہ تھا کہ وہ انگریزوں سے جنگ کریں، اپنے وہابی ساتھیوں کوملانے کے لئے انہوں نے سرحد پر موجود امیر المجاہدین سید نصیر الدین کی مدد بھی طلب کی اور سندھ وکراچی سے کمک حاصل کرنے کے لئے وہابی فقیر کا بھیس بدل کر فوج میں گھس کر فوج کو بغاوت کے لئے تیار کرچکے تھے اور

مبارز الدولہ نے اپنے دینی اقتدار کے لئے دو مہریں بھی بنوالیں تھیں اور "محافظ دین متین، حامی دین و مسلمین"، "مبارز نائب سید احمد شہید"۔

شمالی ہند کابل اور ایران سے مدراس آنے والوں کا غیر معمولی ہجوم راز فاش ہونے کا سبب بنا، مبارز الدولہ گرفتار ہوئے، ۱۸۴۰ء میں انہیں گولکنڈہ کے قلعے میں بند کر دیا گیا جہاں ۱۸۵۶ء میں ان کا انتقال ہو گیا۔

اندرون ہند اہل وطن کو منظم کرنے اور مختلف شعبہائے حیات میں انگریزوں کے خلاف انہیں اکٹھا کرنے کی وہابیوں کی کوششیں جاری رہیں، ان کی ہمہ گیر کوششوں کا نتیجہ تھا اور ان کے دعاۃ کی جہود کا ثمرہ تھا کہ دیسی فوج کے اندر بغاوت کا لاوا پھوٹ پڑا، ملک کے کونے کونے میں انہوں نے بھیس بدل بدل کر انگریزوں کے خلاف آگ بھڑکائی اور اس طرح ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی لڑی گئی اور پھر ان کے رنگروٹ نے جہاں بھی ممکن ہو سکا جنگ میں حصہ لیا، اگر ان وہابی مجاہدین کی سرگرمیاں نہ ہوتیں اور ضلع اور صوبہ وائز منصوبہ بند کوششیں نہ ہوتیں تو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ لیکن بدقسمتی ہی ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو وہابی مجاہدین کی جد وجہد سے الگ کر کے دکھلایا جاتا ہے۔ اس غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ اہل حدیث مجاہدین کا ایک مشن تھا، اور مستقلاً کمانڈ ہیڈ کوارٹر سرحد پر تھا، اس کے خلفاء اور دعاۃ پورے ملک میں پھیلے ہوئے تھے، انہی دعاۃ اور خلفاء کی کوششوں کے نتیجے میں دیسی فوج کے اندر آہستہ آہستہ حب الوطنی کا جذبہ پھوٹا اور پھر شاہ ہند بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں جنگ لڑنے کا فیصلہ ہوا۔ پھر یہ بھی ہے کہ پنجاب میں جس قدر استعمار حامی لوگ پیدا ہو گئے تھے وہ ان کی راہ میں رکاوٹ تھے۔ اور یہ بھی کہ سرحد پار انہیں فردی اور مادی کمک اندرونی ہند سے ملتا تھا، جب ان کا سارا اسباب اندرون ہند تھا، تو سرحد کے کمان کے تحت ان کے سارے ذرائع پورے ملک کو آزاد کرنے میں لگے تھے پھر یہ کہنا کہ وہابی مجاہدین ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ساتھ نہیں تھے۔ کل صورت حال سے بالکل بے خبری کا نتیجہ ہے۔ اس کے علاوہ سرحد پر فوجی کمان نے اس دور میں دیسی فوج کی پچیسویں پلٹن کو ساتھ ملا کر جو استعمار سے بغاوت کر کے ان سے جا ملی تھی انگریزوں کے خلاف لڑائیاں لڑی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء

کی جنگ آزادی اہل حدیث مجاہدین کی تیار کردہ جنگی ماحول میں لڑی گئی اور سب سے زیادہ ان کے ذرائع اس میں کام آئے اور سب سے زیادہ وہی انگریزوں کے ظلم وستم کا نشانہ بنے۔ اگر وہابی مجاہدین کی امارت کے تحت وہابی خلفاء ودعاۃ نے پورے ملک میں بھیس بدل بدل کر گاؤں گاؤں، شہر شہر، دیہات دیہات حب الوطنی کی دلوں میں جوت نہ جلائی ہوتی تو ۱۸۵۷ء کی جنگ ہوتی ہی نہیں (تفصیل کے لئے "ہندوستان کی وہابی تحریک" دیکھی جاسکتی ہے)

فصل سوم

وہابیوں کے خلاف مقدمے اور سازشیں

اہل حدیث وہابی مجاہدین کو سارے اہل وطن سے الگ تھلگ کرنے کے لئے انہیں وہابی ''بمعنی باغی'' مشہور کیا گیا اور انہیں دین کا باغی، حکومت کا باغی قرار دیا گیا، پھر وہ عوام اور حکومت سب کی نگاہ میں مجرم اور قابل گرون زنی ٹھہرے۔ ہر وہ شخص جو سنت رسول کا پابند ہو آمین، رفع الیدین کرتا ہو سنت کے مطابق کپڑا پہنتا ہو اور داڑھی رکھتا ہو وہابی اور باغی شمار کیا جانے لگا ان کی پہچان بنانے اور انہیں سماج سے کاٹنے اور بہت سے لوگوں کو ان کے خلاف کفر کا فتویٰ شائع کروانے میں استعمار کامیاب ہوگیا۔ وہابی لفظ اتنا خوفناک بن گیا کہ گویا ہر وہابی کے خلاف قتل کا فرمان صادر ہو گیا ہے۔ استعمار کے یہاں وہابی کا لقب صرف اہل حدیث کے لئے تھا بعد میں اس کا ایک دینی مفہوم مسلم سماج میں طے ہو گیا جس کے مفہوم میں ہیر پھیر کر کے دوسروں کو بھی کسی قدر وہابیت کے دامن میں سمیٹا جانے لگا اور چالاک لوگوں نے اس کا فائدہ اٹھایا اور ہمیشہ لائن پر بیٹھنے کی عادت ڈال لی وہابیت کے سیاسی لقب کا فائدہ ہوا اور مجاہد بن سکیں تو مجاہدین کی طرف کھسک لئے اور مجاہد آزادی بن کر سدا امر رہنے اور سرسبز رہنے کی کوشش میں لگ گئے اور عوامی بھیڑ سے چپکنے اور مستفید ہونے کی بات آئی تو وہابیت کے دینی مفہوم کو سامنے رکھ کر وہابیت سے نفرت اور براءت کا اظہار کر لیا گیا۔

چوتھے اور پانچویں دور میں اہل حدیث مجاہدین کے لئے حالات بہت کٹھن تھے ان کے خلاف اپنوں اور غیروں نے جاسوسی کی ان کے خلاف مقدمے قائم ہوئے، بلا مقدمہ لا تعداد اہل حدیث علماء اور عوام کو پھانسی دے دی گئی اور ان کے ساتھ عناد کا ایسا رویہ اختیار کیا گیا کہ

ان کی لاشیں بھی دفن نہ کی جاسکیں، ان کا حساب وشمار صرف اللہ کو معلوم ہے۔

اندرون ملک وہابی مجاہدین کا نیٹ ورک تھا اس کو توڑنے کے لئے استعماری حکومت سرگرداں تھی۔ اس نے مجاہدین کے نیٹ ورک کو توڑنے کے لئے پوری کوشش کی لیکن کبھی اسے کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ اہل حدیث وہابیوں کے اندر اپنے کاز اور مقصد سے اتنا لگن تھا کہ اپنی ساری سرگرمیوں کو صیغہ راز میں رکھنے کے لئے جان تک دے دینے کے لئے تیار رہتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی جاسوسوں اور اپنوں کی عنایت سے راز فاش ہوگیا تو مقدمات قائم ہوئے ان میں مشہور سازش کے پانچ مقدمے ہیں۔

● پہلا مقدمہ انبالہ (۱۸۶۴ء):

۱۸۶۳ء میں جنگ امبیلہ میں استعمار نے مجاہدین کے ہاتھوں بہت زک اٹھائی تھی اس لئے اسے کد تھی کہ ان کے نیٹ ورک کو توڑا جائے آخر ایک افغاں غزن خان کے ذریعہ پہلی بار ان کے نیٹ ورک کا کاروان پکڑا گیا تفتیش کے بعد گیارہ افراد مجرم قرار دیئے گئے۔

۱-مولانا یحییٰ علی جعفری (عمر ۴۲ سال یہ اصل میں اندرون ملک نظم جماعت کے ذمہ دار تھے)۔

۲-مولانا عبدالرحیم صادق پوری (عمر ۲۸ سال)

۳-منشی محمد جعفر تھانیسری (عمر ۲۸ سال ضلع انبالہ)

۴-میاں عبدالغفار (عمر ۲۵ سال ساکن پٹنہ، خادم مولانا ولایت علی)

۵-قاضی میاں جان (ضلع پنبہ، مغربی بنگال)۔

۶-محمد شفیع انبالولی۔ ۷-عبدالکریم انبالوی (عمر ۳۵/سال) ۸-عبدالغفور (ساکن شاہ آباد، بہار، عمر ۲۵/سال) ۹-حسینی ولد محمد بخش، عمر ۲۵/سال، تھانیسر۔ ۱۰- حسین ولد ملہو، ساکن پٹنہ، عمر ۳۵/سال۔ ۱۱-الٰہی بخش ولد کریم بخش، عمر ۴۲/سال۔ ان میں مولانا یحییٰ، محمد جعفر تھانیسری اور محمد شفیع کو پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ پھر عمر قید بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی اور سبھوں کو دوسری سزا ملی، اول الذکر پانچ بزرگوں خصوصاً مولانا یحییٰ، مولانا عبدالرحیم اور مولانا جعفر تھانیسری نے بڑی پامردی سے حالات کا مقابلہ کیا۔ اس مقدمے کی بنیاد پر اہل حدیثوں

کے خلاف لاتعداد سازشوں کا الزام لگا اوران پر کئی مقدمے قائم کئے گئے اور وعدہ معاف آخری چھ گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر چار مقدمہ سازش قائم ہوئے۔

● دوسرا مقدمہ پٹنہ (۱۸۶۵ء):

انبالہ کے مقدمے کے بعد وہابیت سے چڑنے والوں، حکومت کے بہی خواہوں اور یاروں نے باقی ماندہ نظم جماعت سے جڑے ہوئے وہابی علماء اور قائدین سے بدلہ لینے کی ٹھانی، ان کی انتقامی کارروائیوں کا پہلا شکار مولانا احمد اللہ صادق پوری (۱۲۲۳ء) بنے۔ وہ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے، انہیں سرکاری حلقوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، کمشنر پٹنہ ولیم بٹلر نے انہیں ۱۸۵۷ء میں نظر بند کردیا، تو وہ معطل کردیا گیا، جب انبالہ کا مقدمہ شروع ہوا تو بٹلر نے بھرپور کوشش کی کہ مولانا کو گرفتار کیا جائے۔ وعدہ معاف گواہوں کی جبری گواہی کے سبب گورنمنٹ نے انہیں گرفتار کرلیا اور پھانسی کی سزا سنائی گئی، پھر کلکتہ ہائی کورٹ سے حبس دوام کی سزا ملی، سولہ سال انڈمان کی جیل میں رہے، ۶۷ رسال کی عمر میں وہیں انتقال ہوا۔ اس سے زیادہ خطرناک یہ بات ہوئی تھی کہ اس مقدمے کے ایک مجسٹریٹ رونشاؤ (T.E.Revenshaw) نے مجاہدین کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا اور سرکاری نقطہ سے ایک قیمتی یادداشت حکومت کو بھیجی جس میں بہار و بنگال کے تمام مبلغوں اور کارکنوں کی ضلع وار فہرست دی گئی۔ اس فہرست کے مطابق وہ سب دس سال تک تنگ کئے جاتے رہے، بنگال کے کتنے خوش حال گھرانے اس توہماتی فہرست کے بموجب تباہ و برباد کئے جاتے رہے، ایک بنگالی قانون داں سر عبدالرحیم (سابق اسپیکر پارلیمنٹ) نے فرمایا تھا: ۱۸۷۰ء میں حکومت نے وہابی تحریک کے سبب مفروضے کے بنیاد پر بنگال کے مسلم جاگیرداروں اور زمین داروں کی تمام املاک جو رقبہ میں صوبۂ بنگال کی چوتھائی تھی ضبط کرلی جس سے ہزاروں مسلمان خانماں برباد اور پریشان ہوگئے، ہنٹر او کنلے اور دوسرے انگریزوں کی تحریروں کا ماخذ یہی نامسعود یادداشت تھی۔

اس رونشاؤ نے اپنی یادداشت میں یہ سفارش بھی کی کہ صادق پور کی منقولہ اور غیر منقولہ جائدادیں ضبط کرلی جائیں، چنانچہ سب استعماری سرکار کے حق میں ضبط کرلی گئیں، گھروں اور

خاندانی قبرستان تک کو مسمار کر دیا گیا، جہاں ۱۴ر پشتوں سے خاندان کے سب آباء واجداد لوگ مدفون تھے۔ اور وہاں شہر کی میونسپلٹی اور بازار بنا دیا گیا اور مولانا احمد اللہ صاحب کے صاحبزادے حکیم عبدالحمید صادق پوری کا دواخانہ بھی ضبط کرلیا گیا، اور خاندان کے تمام لوگوں کو حکیم ارادت حسین صادق پوری (۱۲۹۵ء) کے گھر پناہ ملی، جو مقدمہ انبالہ کے بعد مکہ ہجرت کر گئے تھے، اور وہیں ۱۳ر سال بعد انتقال فرمایا۔ پورے صادق پوری گھرانے میں صرف انہیں کا گھر بچ سکا تھا۔

اس طرح اس مجسٹریٹ نے سرحد پر موجود افراد نیز دوسرے کارکنوں کے خلاف بہار وبنگال کی گورنمنٹ سے سخت کارروائی کی سفارش کی۔ جس پر بھرپور عمل ہوا۔ اوران سفارشات کے نتیجے میں سازش کے تین مقدمے اور چلائے گئے، مالدہ مقدمہ سازش ستمبر ۱۸۷۰ء، راج محل مقدمہ سازش اکتوبر ۱۸۷۱ء، پٹنہ مقدمہٗ سازش مئی ۱۸۷۱ء، مالدہ مقدمہ سازش اور راج محل مقدمہ سازش میں جماعت کے نظم کے ذمہ دار مولوی امیر الدین گرفتار ہوئے اور ان کی جائیداد ضبط ہوئی اور انہیں حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ملی، گیارہ سال کی جلاوطنی کے بعد ۱۸۸۳ء میں عام رہائی کا فائدہ اٹھا کر وطن واپس آئے۔ راج محل مقدمہٗ سازش میں اسلام پور کے ابراہیم منڈل گرفتار ہوئے راج محل اس وقت جھارکھنڈ کے علاقے میں آتا ہے۔ بنگال کے سرحد مالدہ سے ملا جلا ہے، ان کی جائیداد ضبط ہوئی اور حبس دوام اور بعبور دریا شور کی سزا ملی، یہ اپنے ضلع میں جماعت مجاہدین کے ذمہ دار تھے، مقدمہ سازش پٹنہ میں ۱۵۹ر گواہ، ۱۱۳ر سرکار استعمار کے، ۴۶ر ملزموں کی جانب سے اور ملک کے مختلف علاقوں سے لائے گئے کاغذات وخطوط کے انبار لگا دیئے گئے، اس مقدمے میں کل سات ملزم تھے، پیر محمد، امیر خان، حشمداد خان، مبارک علی، تبارک علی، دین محمد، امین الدین ان پر مقدمہ چلا، ہائی کورٹ کلکتہ نے حبس دوام کا فیصلہ سنایا، پیر محمد اور حشمداد خان ثبوت فراہم نہ ہونے کے سبب بری ہوگئے، مولوی مبارک علی، مولانا احمد اللہ صادق پوری کی گرفتاری کے بعد نظم جماعت کے ذمہ دار تھے، ان کے بیٹے تبارک علی نے جنگ انبیلہ میں ایک دستے کی کمانڈ کی تھی۔ یہ سب گرفتار ہوئے، اور ملک کے مختلف جیلوں میں رکھے گئے۔ ان میں امیر خان کا مقدمہ سب سے دلچسپ تھا، یہ

چمڑے کے بہت بڑے تاجر تھے، انگریز تجار تک ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ مجاہدین کی مالی امداد کرتے تھے اور سرحد تک رقوم پہنچاتے تھے، ان کے خلاف ۱۱۳ ر گواہ تیار کئے گئے اور انہیں زبردستی ہر طرح حیران کیا گیا،، ان کی کروڑوں کی جائیداد کو سرکار نے ضبط کر لیا، اور انہیں حبس دوام کے لئے کالا پانی روانہ کر دیا گیا۔ ۱۸۴۹ء سے ۱۸۷۱ء تک قید و بند کا یہ سلسلہ چلتا رہا بڑی تعداد کچھ لے دے کے چھوڑ دی گئی، کچھ بے مقدمے اور بے قانون جیلوں میں سڑتے رہے اور ایک اچھی خاصی تعداد کو سرکاری گواہ بننے کے لئے مجبور کیا گیا۔

ان قیدیوں کی تذلیل، اذیت دہی اور ستانے کے تمام حربے استعمال کے گئے جنہیں پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، روداد قفس کی یہ داستان صلیب اور دار و رسن سے جدا ہے۔ جس کی تفصیل ۱۸۵۷ء کے ضمن میں بیان ہوئی۔

☆☆☆

فصل چهارم

نظم جماعت

کسی بھی چھوٹے سے چھوٹے نظم کو چلانے اور کسی بھی اجتماعی مقصد کو حاصل کرنے، اور اجتماعی مفاد کی حفاظت کرنے کے لئے بڑی دیدہ وری، قربانی اور قائدانہ صلاحیت کی ضروری ہوتی ہے اگر افراد کے اندر قربانی دینے کا جذبہ موجود نہ ہو، وہ زر مال اور منصب کے پیچھے دیوانوں کی طرح گھومیں اور رہبر کے اندر قائدانہ صلاحیت نہ ہو، وہ دیدہ ور نہ ہو، اس کے سامنے ہدف وغایت واضح نہ ہو، اس کے اندر ہمت اور پامردی نہ ہو، تو نہ معمولی نظم چل سکتا ہے نہ کوئی اعلیٰ مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔

برصغیر میں جاری استعماری حکومت میں جابرانہ وقاہرانہ ماحول میں ملکی پیمانے پر ڈیڑھ سو سال تک کسی جماعت کا اصلاح وتجدید ورشد وہدایت کا ہمہ گیر کام کرنا اور استعمار کے خلاف لڑنا اور قوم کو حب الوطنی کے جذبے سے سرشار کرنا اور استعمار کے خلاف انہیں کھڑا کرنا تاریخ انسانی کا سب سے بڑا اعجوبہ ہے، اگر قائدین کے اندر عزم وہمت، اخلاص وپامردی نہ ہوتی، وہ قربانی کے جذبے سے سرشار نہ ہوتے، انہیں مقصد سے غیر متزلزل لگاؤ نہ ہوتا، وہ بصیرت اور دیدہ وری سے مالا مال نہ ہوتے، مشقتوں کو جھیلنے، مصائب کو برداشت کرنے کا حوصلہ نہ ہوتا تو کبھی وہ پُر خطر ماحول میں استعمار کے سامنے ٹک نہ سکتے۔ اسی طرح اگر ان کے اعوان وانصار اور ساتھیوں کے اندر جانفشانی، صبر وبرداشت کرنے کی ہمت اور اللہ سے اجر ثواب کی امید نہ ہوتی تو جبر وقہر کے سامنے حصار میں رہ کر استعمار کے مقابلے میں ٹک نہ سکتے، لہٰذا انہیں دینی کام کرنے کی ہمت ہوئی، ایک اعلیٰ کام کرنے کے لئے جس ہمت، شجاعت، اخلاص اور قربانی

دینے کی ضرورت تھی، وہ ساری چیزیں اسی جماعت اور اس کے قائدین کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ دین سے لگاؤ اور اسلامی نشأۃ ثانیہ کے لئے تعلیم وتربیت، وعظ ونصیحت، قیام مراکز ومدارس، اور مساجد کا وسیع سلسلہ جاری تھا، احیاء سنت اور احیاء ملت کی تمام تر جدوجہد کی جارہی تھی، اسلام کا دیا ہوا سبق یاد کرایا جارہا تھا، دین سے لوگوں کا رشتہ جوڑا جارہا تھا، تعمیر، سیرت، اور تعمیر فرد وسماج کے لئے کوششیں ہورہی تھیں، اور ان راہوں کی سب سے بڑی رکاوٹ استعمار کو ہٹانے کے لئے سردھڑ کی بازی لگائی جارہی تھی۔

سرحد پر ہائی کمان موجود تھا اور اسلامی امارت قائم تھی اور ایک حکومت چلانے کے لئے جو تقاضے تھے اور ایک چھوٹے علاقے میں اسلامی نظام قائم کرنے اور اسے باقی رکھنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت تھی، ان کا انتظام کیا گیا تھا، ساتھ ہی اسلامی حکومت کے واجبات تھے، اس کی ادائیگی ہورہی تھی، اسلامی حکومت کے بقاواستمرار کے لئے سارا بندوبست بھی تھا۔

جماعت مجاہدین کے اندرونی بندوبست کیا تھے؟ اس پر بھی ایک نظر ڈال لینی چاہئے۔ جماعت مجاہدین کا وہ نظم ونسق جسے شہیدین نے قائم کیا تھا، وہ یہ تھا کہ انہوں نے علماء کی ایک ٹیم تیار کی تھی اور پھر انہیں اپنے خلفاء کی حیثیت سے ملک کے مختلف علاقوں میں بھیج دیا تھا اور بعض کو تو پورے ملک میں دورے پر لگایا تھا، ان میں مولانا ولایت کی حیثیت سب سے زیادہ نمایاں تھی، انہوں نے ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک کا دورہ کیا، سید شہید کے جو ساتھی ان کے ساتھ سرحد پر جاکر آزاد اسلامی ریاست قائم کی تھی، ان کے علاوہ ملک کے اندر مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی، مولانا یحییٰ علی، مولانا فرحت حسین، مولانا احمد اللہ صادق پوری کا گھرانہ، مولانا سخاوت علی جونپوری، مولانا کرامت علی جونپوری، مولانا اولاد حسین قنوجی، مولانا محمد علی رامپوری قابل ذکر ہیں۔

شہیدین نے جن علاقوں کا دورہ سفر حج میں اور تبلیغی دوروں میں کئے تھے وہاں ان کے اثرات قائم ہوچکے تھے پھر ان کے خلفا نے ان کے مشن کو پورے ملک میں ہر ہر خطے میں جاری رکھا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شہیدین نے اندرون ملک کسی خاص شہر کو مرکز نہیں بنایا تھا، ان کے زمانے میں بھی افراد واسباب کی فراہمی کا سب سے اہم خطہ بہار وبنگال تھا، لیکن جب

جماعت مجاہدین کی قیادت صادق پوری علماء کے ہاتھ میں آئی تو انہوں نے جماعت مجاہدین کو اندرون ملک بہت اچھے انداز میں منظم کیا اور اس کا مرکز پٹنہ کو قرار دیا اور جس جگہ پر یہ مرکز واقع تھا جماعت مجاہدین تیار کئے جاتے تھے قافلہ یا کاروں کارواں سرائے کہا جاتا تھا۔

پٹنہ میں یہ منظم و مستحکم تربیتی مرکز قائم ہوا اور تمام ملک میں ذیلی محاذ و مراکز قائم کئے گئے، اور ہر مرکز و محاذ پر مقامی واعظین مقرر کیے گئے۔ یہ مقامی کارکن اپنے اپنے محاذوں میں تبلیغ کرتے، رسالے تقسیم کرتے، زکوٰۃ اور دوسری خیراتی رقوم جمع کرتے، چندے حاصل کرتے اور ان کو صدر مقام بھیج دیتے۔ اور افراد کی تلاش کرتے۔

پٹنہ مرکز کے کاروان سرائے میں رضا کاروں کا ریلا آتا رہتا تھا، ان کے انتخاب میں بڑی احتیاط برتی جاتی تھی، سرحد پار لڑنے والے افراد کا انتخاب، عام کارکنوں کا انتخاب اور دعاۃ کا انتخاب اور ان کے لئے طے شدہ ذمہ داری اٹھانے کے لئے ان کی تربیت اور تعلیم کی جاتی اور مقصد سے لگن پیدا کیا جاتا اور دین کے لئے جوش بنانا اور قربانی دینے کا جذبہ پیدا کرنا اہم مطلوب تھا، اس وہابی تربیت گاہ میں جو آتا سرفروش بن جاتا اور ان کا علمی عملی امتیاز اور خصوصیت ہر جگہ نمایاں اور تسلیم کی جاتی۔

پٹنہ میں مقرر کردہ خلفاء میں محمد حسین، ولایت علی اور مظہر علی تھے۔ پھر مختلف مواقع پر ذمہ دار بنے جو صادق پور پٹنہ کو دار الخلافہ کی حیثیت سے چلاتے تھے، وہاں تحریک (قیام الدین ص ۱۷۹) کے مطابق دار الخلافہ کی ذمہ داریاں مختلف مواقع پر اس طرح تھی، اس کی فہرست مندرج ذیل ہے:

۱- سید محمد حسین (خلیفہ) معاون، اکبر علی، فیاض علی، یحییٰ علی، واعظ الحق اور مقصود علی۔

۲- ولایت علی (امیر)، عنایت علی وزیر جنگ، فرحت حسین مالیات اور رضا کاروں کے بھرتی کے ذمہ دار۔

۳- فرحت حسین (خلیفہ ولایت علی، امیر، یحییٰ علی صلاح کار، احمد اللہ وعبد الرحیم مشیر۔

۴- یحییٰ علی (خلیفہ فرحت حسین) امیر، عبد الرحیم مالیات، احمد اللہ مشیر منجملہ مذکورہ مشیروں کے جو زندہ تھے یا قید سے بچ گئے تھے۔

۵-احمد اللہ امیر، مبارک علی مالیات، ارادت حسین مشیر اور دیگر معاون جن کے نام معلوم نہیں۔

۶-مبارک علی امیر، محمد حسن مالیات۔

۷-محمد حسن امیر، دیگر نام معلوم نہیں۔

۸-عبدالرحیم امیر، ابو محمد ابراہیم، عبداللہ (غازی پوری) اور عبدالعزیز رحیم آبادی مشیران۔

مرکز کے تحت وہابی مبلغین دورہ کرتے تھے، یہی اندرونی تنظیم کی ریڑھ کی ہڈی تھے، یہ ہے وہ نفیس جماعت جس نے سارے ملک میں گھوم کر دعوت اہل حدیث کو پھیلائی، جہاد کے لئے مال جمع کرائی، یہ حسب ضرورت بھیس بدل بدل کر سخت موسم میں بھی بلا مزاحمت سفر کرتے تھے، سیدھے سادے دیہاتی ان کا خیر مقدم کرتے، خاص معتمد شاگردوں کے سوا ان کا راز کسی کو معلوم نہیں ہوتا تھا، دور دراز صوبوں میں بلا روک ٹوک سفر کرتے اور لوگ انہیں محبت سے ایک ایک ماہ اپنے گھر میں ٹھہراتے۔

یہ دعاۃ اور مبلغین ایسے احتیاط سے کام کرتے کہ کبھی استعماری سرکار انہیں پکڑ نہیں پاتی، یہ سماجی اصلاح کی ضرورت اور غیر ملکی حکمرانوں کے خلاف جہاد کی اہمیت پر اسلام کی تعلیمات پر بات کرتے اور اکثر کامیاب ہوتے۔

یہ دعاۃ یہ بھی کرتے کہ کسی بستی میں شادی کر لیتے وہاں وہ ایک ٹیم تیار کرتے اور ان علاقوں میں اپنا نائب تیار کر کے آگے نکل جاتے اور پھر وہی تعلیم وتربیت کا کام کرتے اور نائب متعین کر کے آگے نکل جاتے اس طرح دعوت کا سلسلہ مداومت کے ساتھ قائم رہتا۔ مقامی سرداروں اور نائبین کے سوا بہت سے دیہات کے عام آدمی اس سے جڑ جاتے اور ان کے ساتھ دور دور تک جاتے اور اگر سرحد پر قائم امارت اسلامی استعمار سے جنگ کرتی تو لشکر اسلام میں بھی شریک ہو جاتے انہیں بنگال میں خاص کر کامیابی ملی، ہزاروں لوگ اس دعوتی اور استعمار کے خلاف جنگ کے نیٹ ورک سے جڑ گئے تھے۔

مرکز کے تحت ضلعی مراکز قائم تھے جو مقامی لوگوں میں دعوت وتبلیغ کی نگرانی کرتے تھے

اور تحصیل و دیہات کی سطح پر یہ نظم قائم کرتے تھے اور برابر دعوتی و تبلیغی دوروں کے ذریعہ دینی حدت اور جوش و خروش زندہ رکھا جاتا تھا، ان ضلعی اور مقامی مراکز کے ذریعہ مال کی تحصیل ہوتی تھی، کئی گاؤں کو ملا کر دفاتر صیغۂ مالگزاری، ایک صدر تحصیلداری کے ماتحت قائم کر دیئے جاتے تھے، ہر گاؤں کا تحصیلدار اس کے ماتحت ہوتا، زیادہ آبادی والے گاؤں میں ایک بڑا پیش امام ہوتا، گاؤں کا ایک سردار ہوتا جس کا کام ہوتا قاصدوں کا بندوبست کرنا جو ملک سے باہر خطوط اور روپے پہنچانے کا خطرناک فریضہ انجام دیتا، صدر تحصیلدار سالانہ دورے کرتا رقوم کی باقاعدہ ترسیلات کرتا اور ان کو پٹنہ بھیج دیتا جہاں ان کی رسدوں کا ایک کھاتا رکھا جاتا اور جہاں امکان ہوتا گاؤں میں شرعی احکام لاگو کیا جاتا، وہابی فنڈ میں یہ رقوم نقد و جنس دونوں شکلوں میں ادا ہوتے، ان کی خاص شکلیں تھیں، زکوٰۃ، صدقات، عمومی ہفتہ وار، مٹھی اور عطیات اور خوشی کے مواقع کے فنڈ، غمی میں صدقات و خیرات اور وقتاً فوقتاً خفیہ چندوں کی بڑی رقمیں۔

سرحد پار ان اموال کی ترسیل جان جوکھم کا تھا، اس کے لئے مولانا یحییٰ علی صادق پوری نے سرحد کو جانے والے پورے راستے پر وہابی مسافر خانوں کا سلسلہ تیار کر دیا تھا۔ اور ہر مسافر خانے یا مہمان خانے کو کسی آزمودہ کار مرید کے حوالے کر دیا تھا، اس طرح اس نظم کے حوالے سے ترسیل زر کا کام نہایت خفیہ ڈھنگ سے انجام پاتا تھا، اور نہایت امانت داری سے یہ رقم ہندو مہاجنوں کے ذریعہ ہنڈی کی صورت میں جاتی تھی، پیغام رسانی کا بھی ایک محکمہ تھا، مرموز الفاظ و اعداد کے ذریعے رسیدوں اور پیغامات کی ترسیل ہوتی تھی۔

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی اپنے مقصد وجود اور مشن کی تکمیل میں بحمد اللہ بساط بھر سرگرم عمل ہے اور خالص اسلام (کتاب وسنت) کی نشر واشاعت، دعوت الی اللہ، اصلاح نفوس، اصلاح ذات البین اور تعلیم وتربیت سے متعلق سرگرمیوں میں اپنا کردار نبھانے کی بھرپور سعی کر رہی ہے۔ ذیل میں اس کی سرگرمیوں کا ایک خاکہ پیش کیا جا رہا ہے۔

- ☆ ماہانہ تربیتی اجتماعات کا انعقاد
- ☆ جلسے اور کانفرنس
- ☆ انفرادی ملاقاتیں اور دعوتی دورے
- ☆ ہینڈ بل، اشتہارات اور کتابوں کی اشاعت
- ☆ مفت کتابوں کی تقسیم
- ☆ مکاتب کا ماہانہ تعاون
- ☆ ضرورت مند افراد کا تعاون
- ☆ مصائب وحادثات سے دوچار پریشان حال لوگوں کا تعاون
- ☆ نزاعات کے تصفیہ کے سلسلے میں تگ ودو
- ☆ دعاۃ کی تربیت کا اہتمام وغیرہ

دینی شعور رکھنے والے تمام غیرت مند افراد سے دردمندانہ اپیل ہے کہ وہ مذکورہ مشن کی تکمیل میں جمعیت کا بھرپور تعاون فرمائیں۔ جزاھم اللہ خیراً

صوبائی جمعیت اہلِ حدیث ممبئی

فون: 022-2503 2555

AFREEN ARTS : 9819189965 / afreen.arts@gmail.com